کلیدی خطبہ

فہمِ قرآن میں مقاصد کا حصّہ

محمد نجات اللہ صدیقی

قرآن کریم کو سمجھنے میں عربی زبان وادب، لغت اور قواعد کی نیز متن کے فہم کے دوسرے اصول مثلاً نظم و ربط اور عدم تناقض وغیرہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس اہمیت پر خاصا لٹریچر بھی موجود ہے اور تفسیر کی کتابیں بھی اس پر گواہ ہیں۔ اس وقت آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا ہے کہ اس کام میں اسلام کے ان مقاصد سے بھی مدد مل سکتی ہے جنھیں خود قرآنِ کریم سے اور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ سے سمجھا گیا ہو۔

وضاحت کے لیے ایک مثال دی جائے گی، مگر اس سے پہلے یہ کہنا کہ قرآن فہمی محض علمی کام نہیں، تطبیق کا مرحلہ بھی سامنے رہتا ہے، سمجھنا عمل پیرا ہونے کی خاطر ہے اور بسا اوقات اس عمل کا تعلق انفرادی رویّہ سے نہیں بلکہ پبلک پالیسی سے ہوتا ہے جیسا کہ آگے دی گئی مثال میں ہے۔ مسئلہ یا مشکلہ یہ ہے کہ ساتویں صدی میں ایک انسانی زبان میں ملی الٰہی ہدایت کی اکیسویں صدی میں تطبیق اور عمل پیرائی میں لغت اور سماجی، ماحولیاتی اور تکنیکی سیاق کے پہلو بہ پہلو مقاصد کو کتنا دخل ہے؟

زکوٰۃ اور ازالۂ فقر

مکی دور میں ہی یہ بات واضح تھی کہ سماجی دولت کا ایک حصہ ان لوگوں کا حق ہے جو دولت سے محروم رہ گئے ہوں۔ مسلمانوں کی صفت بیان ہوئی:

وَالَّذِیْنَ فِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ . لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ. (المعارج: ۲۴-۲۵)	اور وہ لوگ جن کے اموال میں سائل اور محتاج کے لیےایک مقررہ حق ہے۔
وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ . (الذاریات:۱۹)	اوران کے اموال میں سائل اورمحتاج کا ایک حق ہے۔

آخر میں یہ آیت آئی:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِیْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (توبہ:۶۰)	صدقات صرف فقیروں، مسکینوں، صدقات (کی تحصیل وتقسیم) پر مامور عمال اوران لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو۔ نیز یہ گردنیں چھڑانے کے لیے،مقروض افراد کے لیے، راہِ خدا میں صرف کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے ہیں۔

حق کوحق دار تک پہنچانے کے طریقے زمان ومکان کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ایسی اسکیمیں چلائی جاسکتی ہیں جن کے تحت غریبوں کوتعلیم اورٹریننگ کے ذریعہ قابلِ کار بنایا جائے، ان کو روزگار ملے اور بالآخر وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوجائیں۔لیکن بعض علماء کے نزدیک زکوٰۃ کی مد سے ایسی اسکیمیں نہیں چلائی جاسکتیں کیوں کہ متن میں حرفِ لام تملیک کے لیے ہے۔ مستحقِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے۔زکوٰۃ فنڈ سے چلائی جانے والی رفاہی اسکیموں میں تملیک کی شرط نہیں پوری ہوتی۔

مشہورحدیث ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کویمن کا گورنر بناکر بھیجا تومنجملہ اور باتوں کے ان سے یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں کو بتانا کہ اللہ نے ان پران کے اموال میں صدقہ فرض کیا ہے جوان کے امیروں سے لیا جائے گا اوران کے غریبوں کولوٹا دیا جائے گا۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۳۹۵) اس حدیث میں حرف علیٰ

استعمال ہوا ہے۔ یہی حال بخاری اور مسلم کی بیش تر روایات کا ہے۔ مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۹ میں فی استعمال ہوا ہے۔ ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۵۸۴ میں بھی حرف فی استعمال ہوا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ کی بعض روایات میں بھی فی استعمال ہوا ہے۔ جملہ نصوص کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شارع کا اصل منشا مال کے ایک حصّہ کی امیروں سے غریبوں کی طرف منتقلی ہے، اس منتقلی کے کسی خاص طریقہ پر اصرار نہیں۔

جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے سورہ توبہ آیت ۶۰ کی تفسیر میں لکھا ہے، حرف لام لازماً تملیک کے لیے نہیں آتا بلکہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے اوران سب معانی کے لیے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ آپ جانتے ہیں بعض فقہاء کو تملیک ذاتی پر اصرار ہے۔ مذکورہ بالا اسکیم کے حامی یقین دلاتے ہیں کہ غریبوں کی حاجت روائی، ان کے فقر کے ازالہ اور بالآخر ان کو سماجی امداد (بشمولِ زکاۃ) سے مستغنی کرنے کے لیے تملیک ذاتی کے بالمقابل یہ اسکیمیں زیادہ مفید ہیں۔ مگر یہ حضرات نص کی پابندی کا عذر پیش کرتے ہوئے ان کی بات ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔

اس مختصر نوٹ میں اس مسئلہ کی تنقیح نہیں مقصود۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس اختلاف کو حل کرنے میں ہمیں لغت سے آگے بڑھ کر مقاصد کا سہارا لینا ضروری ہے۔ مقاصد کسی حد تک تو ان مکی آیات سے واضح ہوئے جو اوپر نقل کی جاچکی ہیں اور کچھ اس بارے میں آنے والی حدیثوں سے واضح ہوتے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ معاش اور مال کے بارے میں قرآن وسنّت کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قیامِ حیات کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ چاہا ہے کہ جینے کے ذرائع سبھی کو میسّر رہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ غریب کی زندگی کی گاڑی بھی چلتی رہے۔

آخر میں مسئلہ کی نوعیت کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات جاننے اور سمجھنے کے لیے زبان، لغت، قواعد، وغیرہ کی اہمیت مسلّم ہے۔ مگر یہ انسانی آلات منشاء الٰہی کے احاطہ میں ایک حد تک ہی کامیاب ہوسکتے ہیں۔ ایسے حالات میں جب کہ زمان ومکان کی تبدیلی ہمیں نئے مسائل اور نئے امکانات دونوں کے سامنے لاکھڑا کرتی ہے صرف انھی پر

انحصار مناسب نہیں جب کہ منشاء الٰہی کی دریافت کے دوسرے ذرائع بھی میسّر ہیں۔ مقاصد بھی اس کام میں بڑی مدد کر سکتے ہیں۔ اس مدد کی ضرورت زندگی کے ان دائروں میں زیادہ ہے جو زمان و مکان کی تبدیلی سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں مثلاً سیاسی، معاشی اور معاشرتی امور۔

مقاصدی فہم پر بھی وہی اعتراض کیا جاسکتا ہے جو مقاصدی اجتہاد پر کیا جاتا ہے۔ مقاصدی اجتہاد یا مقاصدی فہم میں وہ قطعیت نہیں پائی جاسکتی جو لغت اور قواعد وغیرہ پر یا منقطی قیاس پر مبنی اجتہاد یا فہم میں پائی جاتی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ مقاصد استقراء کے طریقہ سے سمجھے جاتے ہیں جو کبھی قطعی الثبوت نہیں ہوسکتا۔ اگر مقاصدی فہم کا چلن عام ہوا تو فکر و عمل میں اختلاف کے دروازے کھل جائیں گے۔

ہمیں اس طرز فکر سے اتفاق نہیں۔ ہدایاتِ الٰہی کی تعبیر کا بے لچک ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ جہاں خود انسانی زندگی قطعیت نہ برداشت کرسکتی ہو وہاں قطعیت کی تلاش غیر فطری ہے۔ جہاں انسانی فطرت لچک اور توسّع کی طالب ہو وہاں بے لچک قطعیت کی تلاش سے شدّت پسندی پیدا ہوتی ہے، جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ زمانۂ حال میں ایسا بھی دیکھا گیا کہ دین کی متشدّدانہ تعبیر پر اصرار تشدّد برتنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دین کے نام پر تشدّد آج اسلام اور مسلمانوں کے لیے وبال بن چکا ہے جس کی تہمت اور حقیقت دونوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔

☆☆☆